ایک مرکز اور ایک رُخ متعین نہ کر دیا گیا ہوتا تو ہر نماز کے وقت عجیب افراتفری برپا ہوتی۔ انفرادی نمازیں ادا کرتے وقت ایک مسلمان کا منہ مغرب کی طرف ہوتا تو دوسرے کا مشرق کی طرف تیسرے کا شمال کی طرف اور چوتھے کا جنوب کی طرف۔ اور جب مسلمان نماز با جماعت کے لیے کھڑے ہوتے تو ہر مسجد میں ہر نماز سے پہلے اس بات پر ایک کانفرنس ہوتی کہ آج کس طرف رُخ کر کے نماز پڑھی جائے یہی نہیں بلکہ ہر مسجد کی تعمیر کے وقت ہر محلے میں یہ جھگڑا برپا ہوتا کہ مسجد کا رُخ کس طرف ہو! اللہ تعالیٰ نے ان سارے امکانات کو ایک قبلہ مقرر کر کے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ اور قبلہ اُسی جگہ کو بنایا جسے فطرۃً مرکزیت حاصل ہونی چاہیے تھی، کیونکہ خدا پرستی کی یہ تحریک اُسی جگہ سے شروع ہوئی تھی، اور خدائے واحد کی پرستش کے لیے دنیا میں سب سے پہلا معبد وہی بنایا گیا تھا۔

بغاوت کے مسئلے میں امام ابوحنیفہؒ کا مسلک

سوال :- خلافت میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی جو کچھ تشریح آپ نے ترجمان القرآن میں پیش کی ہے اس کے ضمن میں بعض واقعات جو بعض کتابوں کے حوالہ سے نقل کیے گئے ہیں افسوس ہے کہ ان کے ساتھ اتفاق کرنا مشکل ہے۔ بعض واقعات جس انداز سے پیش کیے گئے ہیں اس سے تو امام ابوحنیفہ کے مسلک کے بارے میں قارئین ترجمان القرآن بہت بڑی غلط فہمی میں پڑ سکتے ہیں۔ بلکہ امام کے مسلک میں انہیں کھلا ہوا تضاد معلوم ہو سکتا ہے اگر انہوں نے مسلک امام کے متعلق کچھ فقہی معلومات حاصل کیے ہوں۔ سر دست میں ایک واقعہ کی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں جو متعلقہ مسئلہ کی قسط دوم میں بیان کیا گیا ہے اور جس کا حوالہ ابن الاثیر اور کردری کے علاوہ المبسوط ج ۱۰، ص ۱۲۹ پر دیا گیا ہے۔

یہ واقعہ اہلِ موصل کی بغاوت سے متعلق ہے۔ اس کو آپ نے ایسے انداز سے پیش کیا ہے جس سے ایک قاری بجز اس کے کہ اس کو مسلمان رعایا کی بغاوت سے متعلق سمجھے، دوسرا کوئی

مطابق نہیں ہے سکتا۔ حالانکہ یہ واقعہ مبسوط کی تصریح کے مطابق مشرکین کی بغاوت سے متعلق ہے جو موصل کے رہنے والے تھے اور جن کے ساتھ "دوانیقی[1] نے صلح کی تھی۔ اس واقعہ میں آپ نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ منصور نے اہلِ موصل سے حالیہ بغاوت کرنے سے پہلے جو عہد لیا تھا وہ ان کے خون اور مال سے متعلق تھا کہ آئندہ اگر وہ بغاوت کریں گے تو ان کے خون اور مال اس پر حلال ہوں گے" اور اسی معاملہ کے متعلق منصور نے فقہاء کی ایک جماعت سے جس میں امام ابوحنیفہؒ بھی موجود تھے یہ پوچھا تھا کہ " معاہدے کی رُو سے ان کے خون اور مال مجھ پر حلال ہو گئے ہیں یا نہیں ؟۔ اور اسی کے متعلق امام نے کہا تھا کہ : اہلِ موصل سے ہاتھ روک لیجیے۔ ان کا خون بہانا آپ کے لیے حلال نہیں ہے " حالانکہ مبسوط کی عبارات سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ معاہدہ باغیوں کے خون اور مال کی حلت و حرمت سے متعلق نہیں تھا بلکہ ان قیدیوں کے قتل سے متعلق تھا جو مشرک تھے اور باغیوں نے انہیں بطورِ "رہن" مسلمانوں کے ہاتھوں میں دے دیا تھا[2] اور وہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں قیدیوں کی حیثیت سے تھے۔ اور چونکہ معاہدے میں جانبین نے یہ شرط مقرر کر رکھی تھی کہ اگر ایک فریق نے دوسرے فریق کے قیدیوں کو قتل کر دیا تو دوسرا فریق بھی اس کے قیدیوں کو قتل کر سکے گا، اور اہلِ موصل نے ان مسلمان قیدیوں کو پہلے قتل کر ڈالا تھا جو ان کے ہاتھوں میں قیدیوں کی حیثیت سے تھے، اس لیے عمار سے یہ پوچھنے کی ضرورت پیش آئی کہ ہم ان مشرک قیدیوں کے ساتھ کیا معاملہ کریں جو باغیوں کی طرف سے ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ تو ان قیدیوں کے قتل کے متعلق امام اعظم نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ یہ آپ کے لیے حلال نہیں ہے " نہ کہ امام اعظم نے مسلمان رعایا کی بغاوت کے متعلق خود باغیوں کے بارے میں یہ فرمایا تھا کہ ان کا قتل جائز نہیں ہے۔

اس کے علاوہ خود باغیوں کے بارے میں امام اعظمؒ یہ فتویٰ دے کیسے سکتے تھے کہ ان کا

---

[1] دوانیقی سے مراد خلیفہ منصور ہی ہے جسے کنجوسی کی بنا پر دوانیقی کہا جاتا تھا یعنی پائی پائی پر جان دینے والا۔ (ترجمان)

[2] ... (ترجمان)

قتل جائز نہیں ہے۔" جبکہ امام سرخسی نے اسی باب کی ابتدا میں باغیوں کے بارے میں امام اعظمؒ کا مذہب یہ نقل کیا ہے کہ باغی لوگ جب ایسے امام سے بغاوت کریں جس کی وجہ سے ملک میں عام امن و امان قائم ہو گیا ہو، خواہ وہ ظالم ہی کیوں نہ ہو، تو ان کا قتل واجب ہے۔" فان کان المسلمون مجتمعین علی واحد وکانوا آمنین به والسبیل آمنة فخرج علیه طائفة من المسلمین فحینئذ یجب علی من یقوی علی القتال ان یقاتل مع المسلمین الخارجین (مبسوط ج ۱۰، ص ۱۲۴)۔ امام سرخسیؒ نے اس حکم کے لیے جو دلائل بیان کیے ہیں ان میں ایک یہ آیت کریمہ بھی ہے:۔ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۔ قرآن کے اس صریح حکم کے مقابلے میں امام اعظمؒ آخر کیسے یہ جرأت کر سکتے تھے کہ باغیوں کا قتل جائز نہیں ہے۔" اس بارے میں امام سرخسیؒ نے مبسوط میں جو تفصیل پیش کی ہے، میں اُسے یہاں نقل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ خود اس مقام پر دوبارہ نظر ڈال کر ترجمان القرآن کے ذریعہ اس خط کے جواب میں اپنے مضمون کی اصلاح فرمائیں گے۔ اور خط بھی فائدہ عام کے لیے شائع کریں گے۔"

جواب۔ غالباً آپ نے سرسری طور پر میرے مضمون میں اس مقام کو دیکھا اور جلدی میں اظہارِ رائے فرما دیا۔ جس جگہ یہ بحث آئی ہے وہاں زیرِ بحث مسئلہ یہ نہ تھا کہ اہلِ موصل کے معاملے کی فقہی نوعیت کیا تھی، بلکہ یہ تھا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ اظہارِ رائے کے معاملہ میں کس قدر جری اور بے لاگ تھے۔ اسی بنا پر میں نے اس جگہ یہ بحث نہیں کی کہ اہلِ موصل کا اصل معاملہ کیا تھا۔ آپ صفحہ ۳۴۳ سے ۳۴۶ تک کا پورا مضمون دیکھیں تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ وہاں یہ گفتگو بالکل غیر متعلق تھی۔

اب آپ نے اس مسئلے کو چھیڑا ہے تو اس کے متعلق مختصراً عرض کیے دیتا ہوں۔ اہلِ موصل کے معاملہ میں ابن الاثیر اور الکردری کا بیان شمس الائمہ سرخسی کے بیان سے مختلف ہے۔ شمس الائمہ کہتے ہیں کہ اہلِ موصل جنہوں نے بغاوت کی تھی، کفار تھے اور منصور سے ان کا معاملہ یہ پیش آیا تھا کہ انہوں نے

منصور کے یرغمالوں کو قتل کر دیا تھا اور ان سے شرط یہ ہوئی تھی کہ اگر وہ ایسا کریں تو منصور کو بھی ان کے یرغمال قتل کر دینے کا حق ہوگا۔ شمس الائمہ کے بیان کی رُو سے منصورؔ نے یہی مسئلہ فقہاء کے سامنے پیش کیا تھا کہ میں اہلِ موصل کی اس شرط کے مطابق ان کے یرغمالوں کو قتل کرنے کا مجاز ہوں یا نہیں۔ دوسری طرف ابن الاثیر کا بیان ہے کہ موصل میں حسّان بن مجالد نے خروج کیا تھا۔ اور منصورؔ نے فقہاء کے سامنے جو مسئلہ پیش کیا تھا وہ یہ نہ تھا کہ میں اِن باغیوں کے خلاف قتال کر سکتا ہوں یا نہیں، بلکہ یہ تھا کہ: انّ اھلَ موصل شرطوا الیَّ انھم لا یخرجون علیَّ فان فعلوا حلّت دماؤھم و اموالھم یعنی اہل موصل مجھ سے یہ شرط کر چکے ہیں کہ اگر آئندہ کبھی وہ میرے خلاف خروج کریں تو ان کے خون اور ان کے مال میرے لیے حلال ہوں گے۔ خون اور مال کے حلال ہونے کا مطلب آپ خود جانتے ہیں کہ کسی کے خلاف محض قتال کا جائز ہونا نہیں ہے، بلکہ یہ ہے کہ اگر ہم لڑ کر اس گروہ پر غالب آجائیں تو ہمارے لیے پھر اس کے تمام بالغ مردوں کو قتل کر دینا اور اس کے اموال لوٹ لینا حلال ہو۔ یہی سوال دراصل منصورؔ نے فقہاء کے سامنے پیش کیا تھا۔ اس کا جواب بعض دوسرے فقہاءؒ نے یہ دیا کہ وہ لوگ خود از روئے معاہدہ اپنے خون اور مال آپ کے لیے حلال کر چکے ہیں، اس لیے آپ ایسا کرنا چاہیں تو اس کے مجاز ہیں۔ امام ابوحنیفہ نے اس کو ناجائز قرار دیا۔ قریب قریب یہی بات الکردری نے بھی لکھی ہے۔ اب آپ فرمائیں کہ آپ کو اس پر کیا اعتراض ہے۔ کیا امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہی ہے کہ مسلمان باغیوں پر اگر حکومت غالب آجائے تو وہ ان کے تمام بالغ مردوں کا قتلِ عام کر کے ان کے اموال لوٹ لینے کی مجاز ہے، قطع نظر اس سے کہ ان مسلمان باغیوں نے پہلے خود یہ شرط قبول کی ہو یا نہ کی ہو؟

میرے نزدیک اس معاملہ میں ابن الاثیر اور الکردری کا بیان ہی درست ہے اور شمس الائمہ کا بیان تاریخی طور پر درست نہیں ہے، کیونکہ منصور کے زمانے میں نہ تو موصل میں کوئی کافر حکومت تھی اور نہ کفّار اہلِ ذمّہ کا وہاں اتنا زور تھا کہ وہ عباسی خلافت کے مقابلے میں بغاوت کر سکتے لیکن چونکہ میں نے اس سارے معاملہ کو ایک دوسرے ہی پہلو سے لیا ہے، اس لیے امام کی جرأت